سلسلہ نمبر ۲۱

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

یزید حاکم تھا خلیفۂ راشد نہ تھا

۷۸۶

محترم و مکرم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا پہلا خط جب ملا تھا تو میں نے اُس کا جواب مسجد اقصیٰ کے پتہ پر دیا تھا کہ یہ سوالات مختصر ہیں۔ ایک ہی سوال ہو مگر ذرا مفصل ہونا چاہیے، جب آپ کی آنکھوں کی تکلیف جاتی رہے تو لکھیے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ کارڈ آپ کو نہیں مِلا۔

آپ نے دریافت کیا ہے کہ بعض لوگ حضرت سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو صحابی نہیں تسلیم کرتے تو آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ :

(۱) معیارِ صحابیت کیا ہے؟ حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کی صحابیت سے انکار کرنے والے لوگ کس گروہ کے ہیں؟

جواب : (الف) امام بخاری رحمہ اللہ صحابی کی تعریف بیان فرماتے ہیں :

وَمَنْ صَحِبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ رَاٰہُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَھُوَ مِنْ اَصْحَابِہٖ. (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۱۵)

''جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ لیا ہو یا اُس نے آپ کی زیارت کی ہو وہ آپ کا صحابی ہے''۔

ساتھ رہنا تو نابینا کے لیے ہے۔ اور دوسرا تو دیکھے گا بھی۔ لیکن دیکھنا نزدیک سے بھی ہو سکتا ہے اور دُور سے بھی جیسے حجۃ الوداع کے موقع پر ایسے بہت سے حضرات ہوں گے جنہوں نے آپ کو دُور سے ہی دیکھا ہوگا۔ وہ بھی مشرف بزیارت وصحبت شمار ہوں گے، انہیں صحابی ہی کہا جائے گا۔

بخاری شریف کے موجودہ مروجہ نسخوں کا حاشیہ بھی اِس کی وضاحت کے لیے مفید ہے۔ (حاشیہ ۴ ص ۵۱۵ دیکھ لیجیے)

حضرات حَسَنَیْن رضی اللہ عنہما اس معنی میں بلا شک صحابی ہیں۔

(ب) حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ایسے صحابی ہیں کہ اُنہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی روایات بھی یاد رکھی ہیں۔

امام بخاریؒ نے یہ بحث بھی فرمائی ہے کہ چھوٹی عمر کے بچہ کا جناب رسول اللہ ﷺ سے سننا کب درست قرار دیا جائے گا اور کب نہیں؟ اِس مسئلہ کو بیان کرنے کے لیے اُنہوں نے کتاب العلم میں یہ باب ترتیب دیا ہے "بَابُ مَتٰی یَصِحُّ سِمَاعُ الصَّغِیْرِ" اس باب میں اُنہوں نے ایک چھوٹی عمر کے صحابی حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہما کی روایت پیش فرمائی ہے۔

"عَقَلْتُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِیْ وَجْهِیْ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ سِنِیْنَ مِنْ دَلْوٍ. (بخاری شریف ص۱۷)

"کہ مجھے یہ یاد ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ڈول میں سے اپنے دہن مبارک میں پانی لے کر میرے چہرہ پر ڈالا اور میں پانچ سال کا تھا"۔

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ساڑھے چھ سال سے زیادہ تھی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر سوا سات سال تھی۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

وُلِدَ الْحَسَنُ سَنَةَ ثَلاثٍ مِّنَ الْهِجْرَةِ فِی النِّصْفِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ هٰذَا اَصَحُّ مَا قِیْلَ فِیْهِ. وَوُلِدَ الْحُسَیْنُ لِخَمْسٍ خَلَوْنَ مِنْ شَعْبَانَ سَنَةَ اَرْبَعٍ مِّنَ الْهِجْرَةِ.

(منهاج النسة ج۲ ص ۲۵۰.۲۵۱)

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ ۳ ھ ہجری میں نصف رمضان کو تولد ہوئے۔ اس بارے میں یہ سب سے صحیح قول ہے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۵/ شعبان ۴ ھ ہجری میں ہوئی''۔

یہ دونوں حضرات محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ سے زیادہ بڑے تھے۔

(ج) دونوں حضرات کی روایات سب محدثین نے تسلیم کی ہیں۔ چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :

وَقَدْ حَفِظَ الْحُسَیْنُ اَیْضًا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَرَوٰی عَنْہُ.

(الاصابہ ص ۳۳۱ ج ۱)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے روایات یاد رکھی ہیں اور روایات آگے (شاگردوں کو) پہنچائی ہیں''۔

اور حافظ ابن عبد البر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں :

رَوَی الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْلَہٗ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ.

''حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد روایت فرمایا ہے کہ مسلمان کے اسلام کی خوبی (اور سچائی و پختگی) کی یہ بات ہے کہ وہ بے فائدہ بات چھوڑ دے''۔

اس کے علاوہ ابن عبد البرؒ نے اور روایات بھی دی ہیں۔ (الاستیعاب ص ۳۸۲ ج ۱)

حافظ ابن حجرؒ نے اسماء الرجال کی عظیم الشان کتاب تہذیب التہذیب میں جو چھوٹے بھائی کے بارے میں لکھا ہے، وہ یہ ہے :

اَلْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبِ الْھَاشِمِیُّ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ الْمَدَنِیُّ سِبْطُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَرَیْحَانَتُہٗ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحَدُ سَیِّدَیْ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ . (روی عن جدہ وابیہ وامہ وخالہ ھند بن ابی ھالۃ وعمر بن

الخطاب. وعنه اخوه الحسن وبنوه علی وزید وسکینة وفاطمة وابن ابنه ابوجعفر الباقر والشعبی وعکرمة وکرز التیمی وسنان بن ابی سنان الدؤلی وعبد الله بن عمرو بن عثمان والفرزدق وجماعة.(تهذیب التهذیب ج ۲ ص ۳۴۵)

''حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی ابوعبداللہ (کنیت) المدنی جناب رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور دُنیا میں آپ کی خوشبو اور جنت کے جوانوں کے دوسرداروں میں سے ایک۔ (اُنھوں نے اپنے نانا والد والدہ ماموں ہند بن ابی ہالہ اور حضرت عمر بن الخطاب سے روایات سنی ہیں۔ اور ان سے ان کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد علی، زید، سکینہ، فاطمہ اور اُن کے پوتے ابوجعفر باقر اور شعبی، عکرمہ، کرز تیمی اور سنان بنی ابی سنان الدؤلی اور عبداللہ بن عمرو بن عثمان اور فرزدق اور اور حضرات نے روایات سنی ہیں''۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۵)

سیدنا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے سب سے زیادہ حدیثیں یکجا کر کے مسند احمد میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہیں، ملاحظہ ہو مسند احمد ص ۱۹۹ تا ۲۰۱ ج ۱)

امام احمد امام اہل سنت ہیں اور حدیث میں ان کا درجہ بالاتفاق بلند ترین تسلیم کیا گیا ہے، اسی طرح ان کی کتاب مسند احمد حدیث پاک کی مسلمہ عظیم ترین کتابوں میں چلی آرہی ہے، آئمہ حدیث ان کے شاگرد ہیں۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ ان کے متبعین میں ہیں اور امام بخاریؒ جیسے ان کے شاگرد ہیں۔ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث دی ہے۔

وَفِیْ مُسْنَدِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ وَابْنِ مَاجَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْهَا الْحُسَیْنِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یُّصَابُ بِمُصِیْبَةٍ فَیَذْکُرُ مُصِیْبَتَهٗ وَاِنْ قَدُمَتْ فَیُحْدِثُ لَهَا اِسْتِرْجَاعًا اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰہُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اَجْرِهٖ یَوْمَ اُصِیْبَ بِهَا. (منهاج السنة ص ۲۴۷ ج ۲)

''مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں ہے، حضرت فاطمہ بنت الحسین اپنے والد حضرت حسینؓ سے

اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہو اُس کو یہ مصیبت یاد آئے چاہے (وہ پرانی ہو چکی ہو) اُسے کافی زمانہ گزر چکا ہو تو وہ نئے سرے سے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا اجر عنایت فرماتے ہیں جیسا اس دن عطا کیا ہوگا جس دن یہ مصیبت آئی ہوگی''۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

''حضرت حسین اور اُن کی صاحبزادی (جو کہ اُن کی شہادت کے وقت وہاں موجود تھیں) کی یہ حدیث ایک آیت (نشانی) ہے۔ کیونکہ حضرت حسینؓ کی مصیبت ایسی ہے جسے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی زمانہ گزر چکا ہے، تو ایک مسلمان کے لیے یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ اُس وقت اِنَّا لِلّٰہِ پڑھے''۔ (منھاج السنۃ ص۲۴۷ ج۲)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ روایات کے بارے میں بہت متشدد شمار ہوئے ہیں اس لیے میں نے ان کا حوالہ پیش کیا ہے۔

غرض تمام محدثین نے وہ روایات جو سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی اور بعد میں سنائی ہیں تسلیم کی ہیں۔ ان کے صحابی ہونے کے بارے میں کسی کو کوئی اشکال نہیں ہے۔ میں نے آپ کی تشفی کے لیے صحابی کی تعریف، صحابی کا روایت سننے کا معیار، بخاری شریف سے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روایات معتبر ترین کتابوں سے بالاختصار نقل کر دی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے تو اور بھی زیادہ روایات وارِد ہیں۔

جو شخص ان مذکورہ باتوں کو نہ مانے وہ غلطی پر ہے، اگر اُس کے صحابی نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اُسے علم نہیں ہے تو اُسے علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اگر اُس کے دل میں کسی قسم کی ضد یا عناد ہے تو اُسے توبہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں خوارج کی ہیں اور وہ اہل اہواء میں شمار ہوئے ہیں۔

(۲) آپ نے دریافت کیا ہے :

''پوری ملت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال ہے اور حضرت علی کرم

اللہ وجہہٗ خلیفۂ چہارم ہیں۔ جو لوگ ان کو خلیفۂ چہارم اور خلیفۂ راشد نہیں مانتے اور اُن پر الزام تراشی اور طعن کرتے ہیں، قرآن و سنت کی روشنی میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

جواب : حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی کفالت ہی میں پلے اور بڑھے ہیں اور ساری عمر جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہے ہیں، وہ اہل بیت میں ہیں، وہ مہاجر ہیں، عشرۂ مبشرہ میں ہیں، اہل بدر میں ہیں، اہل بیعت رضوان میں ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن حضرات کو اپنے بعد خلیفہ ہونے کا اہل قرار دیا اور خلیفہ کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا ان میں کے ایک ہیں۔ اُن حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ ہو سکتا تھا، ہر ایک خلافت کا اہل تھا۔ اُنہوں نے ان حضرات کو منتخب کر کے انہیں انتخاب کا حق دینے کی وجہ یہ بتلائی۔

مَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ النَّفَرِ اَوِ الرَّھْطِ الَّذِیْنَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَنْھُمْ رَاضٍ فَسَمّٰی عَلِیًّا وَّعُثْمَانَ (الحدیث)

(بخاری شریف ص ۵۲۴ ج۱)

''اس معاملہ کے لیے ان لوگوں سے زیادہ کوئی بھی حق نہیں رکھتا کہ جن سے جناب رسول اللہ ﷺ دُنیا سے خوش رُخصت ہوئے۔ پھر آپ نے نام لیے کہ علی اور عثمان (وغیرھما) الی آخر الحدیث''.

قرآن کریم میں مہاجرین اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کی تعریف جا بجا آئی ہے۔ ان میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ داخل ہیں۔ یہ تو قرآن پاک سے اِن کی فضیلت ثابت ہوئی اور احادیث میں اُن حضرات کی جو عشرۂ مبشرہ ہیں تعریف آئی ہے۔ یہ تو عشرۂ مبشرہ کی بات ہے۔ ابن تیمیہ ؒ تو کہتے ہیں کہ اہل بیعت رضوان بھی سب کے سب جنتی ہیں۔

وَھٰٓؤُلَآءِ لَایَدْخُلُ النَّارَ مِنْھُمْ اَحَدٌ کَمَا ثَبَتَ ذٰلِکَ فِی الْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ.

(منہاج السنة ص ۲۶۰ ج۲)

''اور یہ حضرات، ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہ جائے گا جیسے کہ یہ بات حدیث صحیح میں ثابت ہے''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بالاجماع منعقد مانی ہے، اور فرماتے ہیں :

''علاوہ اس کے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت محققین کے نزدیک نص سے ثابت ہے۔'' (ترجمہ فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۲۰۳ مطبع مجیدی کانپور)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ اکابر دیوبند کے مقتدا ہیں، اکابر دیوبند کا یہی مؤقف چلا آرہا ہے، آپ ایسے مسائل میں حضرت شاہ صاحب کی تحریرات کا مطالعہ ضرور فرمالیا کریں، وہ شیعیت اور خارجیت سے پاک مسلکِ اعتدال پر چلتے ہیں۔ اگر کوئی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برا کہتا ہے یا کوئی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو برا کہتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور فاسق ہے (دیکھئے فتاویٰ عزیزی ص ۲۰۵ ج ۱ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور) اسی مقام پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ علماء متاخرین نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔

یہ باتیں وہ ہیں جو خوارج کی رہی ہیں، ہر مسلمان کو اِن سے بچنا ضروری ہے۔

(۳) آپ نے تیسرا سوال یہ لکھا ہے : یزید کے ہاتھ پر بعض صحابۂ کرام کی بیعت کے متعلق ایک گروہ اس کے خلیفۂ راشد اور امیر المؤمنین کہنے پر مصر ہے، کیا صحابۂ کرام کی بیعت ثابت ہے؟

جواب : اس کے جواب کے لیے کچھ باتیں بعد میں عرض کروں گا۔ ویسے ظاہر ہے کہ وہ دور صحابۂ کرام کا تھا اور شام میں بھی صحابۂ کرام حیات تھے تو شام کے حضراتِ صحابہ نے اُسے امیر مانا ہوگا اور بیعت کی ہوگی۔ لیکن اہل مدینہ نے بیعت کی اور توڑ دی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُنہوں نے ایک وفد شام بھیجا اُس وفد نے آکر جو حال بتلایا اُس سے اہل مدینہ یزید سے بہت بدظن ہو گئے، اُنہوں نے بنواُمیہ کے گورنر کو اور دوسرے لوگوں کو سب کو مدینہ شریف سے نکال دیا۔

اہل مدینہ میں اعیانِ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت کی تھی اور بعد میں بھی نہیں توڑی اور اہل مدینہ کو بھی یہی مشورہ دیتے رہے کہ وہ بیعت نہ توڑیں کیونکہ وہ خود تو کافی عرصہ سے حکام کی نظروں میں آچکے تھے جس کی وجہ ایک واقعہ ہے جو اُن کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان گزرا تھا، جس کی تفصیل عرض کرتا ہوں اور اس گفتگو کا پس منظر بھی جو آگے بحوالہ بخاری شریف آنے والی ہے۔

بات یہ تھی کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بات دیکھ کر طے

کیا تھا کہ ہم سب جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے۔ اُنہوں نے پوری مملکت شام اور اس سے آگے ترکی کا علاقہ بھی فتح کیا اس لیے بنواُمیہ کا خیال یہ ہو گیا تھا کہ حکومت ہم زیادہ بہتر طرح کر سکتے ہیں۔ وہ خود کو اِس کا مستحق سمجھنے لگے تھے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف تشریف لائے تو اُنہوں نے بھی تنہائی میں ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ بخاری شریف میں ہے :

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی حَفْصَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا وَنَوْسَاتُھَا تَنْطِفُ قُلْتُ قَدْ کَانَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ مَا تَرَیْنَ فَلَمْ یُجْعَلْ لِّیْ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ فَقَالَتْ اِلْحَقْ فَاِنَّھُمْ یَنْتَظِرُوْنَکَ وَاَخْشٰی اَنْ یَّکُوْنَ فِی احْتِبَاسِکَ عَنْھُمْ فُرْقَةٌ فَلَمْ تَدَعْهُ حَتّٰی ذَھَبَ فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ خَطَبَ مُعٰوِیَةُ قَالَ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَکَلَّمَ فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ فَلْیُطْلِعْ لَنَا قَرْنَهٗ فَلَنَحْنُ اَحَقُّ مِنْهُ وَمِنْ اَبِیْهِ قَالَ حَبِیْبُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَھَلَّا اَجَبْتَهٗ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَحَلَّلْتُ حَبْوَتِیْ وَھَمَمْتُ اَنْ اَقُوْلَ اَحَقُّ بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْکَ مَنْ قَاتَلَکَ وَاَبَاکَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَخَشِیْتُ اَنْ اَقُوْلَ کَلِمَةً تُفَرِّقُ بَیْنَ الْجَمِیْعِ وَتَسْفِکُ الدَّمَ وَیُحْمَلُ عَنِّیْ غَیْرُ ذٰلِکَ فَذَکَرْتُ مَا اَعَدَّ اللّٰہُ فِی الْجِنَانِ قَالَ حَبِیْبٌ حَفِظْتَ وَعَصَمْتَ. (بخاری شریف ص ۵۹۰ ج۲ باب غزوة الخندق)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ (اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا) کے پاس گیا، وہ سر دھو کر فارغ ہوئی تھیں، اُن کی لٹوں سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے کہا لوگوں کا معاملہ جو ہوا وہ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے مجھے کوئی کام تفویض نہیں کیا گیا۔ وہ فرمانے لگیں کہ تم وہیں جاؤ وہ تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اگر اُن کے پاس جانے سے رُکے رہے تو لوگوں میں افتراق پیدا ہوگا، اُنہوں نے (ان پر اتنا اصرار فرمایا کہ) اِنہیں وہاں بھیج کر ہی چھوڑا۔

جب لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ جو کوئی

اس کام میں (کارِحکومت میں) بات کرنی چاہتا ہے تو وہ ہمارے سامنے اپنا سینگ نکالے (سر اٹھائے) یقیناً ہم اُس سے اور اُس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں، اس پر حبیب بن مسلمہ نے پوچھا کہ پھر آپ نے انہیں اس کا جواب کیوں نہیں دیا؟ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی کمر کا بند کھولا اور اِرادہ کیا کہ اِن سے یہ کہوں کہ اس کام کا زیادہ حق دار تم سے وہ ہے کہ جس نے تم سے اور تمہارے والد سے اسلام کے لیے جہاد کیا تھا (لیکن بہن سے باتوں کے بعد) مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری زبان سے ایسی بات نہ نکل جائے جو جمع شدہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کردے اور خونریزی ہو اور جو میں کہوں وہ بات تو رہ جائے اور دوسری باتیں میری طرف منسوب ہوجائیں۔ اس پر میں نے یاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر و ایثار کرنے والوں کے ساتھ جو جنتوں میں وعدہ فرما رکھا ہے۔ حضرت حبیب نے فرمایا کہ آپ بچ گئے اور (ہر طرح) محفوظ رہے''۔ (بخاری شریف باب غزوۃ الخندق)

جب انہیں مشیر بھی نہ بنایا گیا اور بہن اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی رائے بھی ایسی ہی دیکھی کہ یکسو رہنا ہی بہتر ہے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ کے لیے سیاست و امارت اور مشاورت امیر وغیرہ سے دستبردار ہوگئے، ان کے بعد کے حالاتِ زندگی یہی بتلاتے ہیں۔ ادھر عام بنواُمیہ کا یہ رجحان بڑھتا ہی گیا، اور بعض اوقات تو اِس نے بہت بدنما شکل بھی اختیار کرلی کیونکہ حکام بنواُمیہ نے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کے لیے جانشینی کی فضا ہموار کرنی شروع کردی تھی یہ اہل مدینہ کو پسند نہ تھا نہ وہ اِس کارروائی کو پسند کرتے تھے نہ یزید کو چاہتے تھے، مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے :

كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ اِسْتَعْمَلَهٗ مُعٰوِيَةُ فَخَطَبَ فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيْدَبْنَ مُعٰوِيَةَ لِكَيْ يُبَايِعَ لَهٗ بَعْدَ اَبِيْهِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِىْ بَكْرٍ شَيْئًا فَقَالَ خُذُوْهُ فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوْا (بخاری شریف ص۷۱۵ ج۲ تفسیر سورۃ الاحقاف)

''مروان حجاز پر حاکم تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے وہاں کا عامل مقرر فرما دیا تھا، اُس نے خطبہ دیا تو یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا تا کہ اُس کے والد کے بعد اس سے بیعت

کرلی جائے، اِس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے اس سے کچھ فرمایا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اِسے پکڑو۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے گئے، یہ لوگ نہ پکڑ سکے"۔

اس کے علاوہ بھی اس نے بدزبانی کی، جو بخاری شریف کی اسی روایت میں ہے۔ غرض آل صدیق اکبرؓ اورآل عمر فاروقؓ کے ساتھ ان لوگوں کا یہ رویہ تھا، یہ حالات حضرت ابن عمرؓ کے سامنے تھے اور جیسا کہ گزر چکا ہے وہ پہلے سے ہی نظروں میں آچکے تھے اس لیے اِن کا بیعت نہ ہونا مشکل تھا، سوائے اس کے کہ وہ بھی کہیں اور چلے جاتے اور چھپ جاتے۔ ایسا اُنہوں نے نہیں کیا۔

ان حالات میں آپ ہی بتائیں کہ صحابۂ کرام کا یزید کی امارت پر بیعت کرنا کیا اُس کے شرف کی وجہ سے ہے یا اُس کے فتنہ سے بچنے کے لیے ہے؟

اہل مدینہ کے قلوب میں یزید سے محبت نہ تھی اور اطلاعات ملنے کے بعد شدید نفرت پیدا ہوگئی۔ اُنہوں نے بیعت فسخ کردی، اُس کے نائب اور اہل خاندان کو مدینہ پاک سے نکال دیا۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

وَاَمَّا مَافَعَلَہٗ بِاَھْلِ الْحَرَّۃِ فَاِنَّھُمْ لَمَّا خَلَعُوْہُ وَاَخْرَجُوْا نُوَّابَہٗ وَعَشِیْرَتَہٗ اَرْسَلَ اِلَیْھِمْ مَّرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ یَّطْلُبُ الطَّاعَۃَ فَامْتَنَعُوْا فَاَرْسَلَ اِلَیْھِمْ مُسْلِمَ بْنَ عُقْبَۃَ الْمُرِّیَّ وَاَمَرَہٗ اِذَا ظَھَرَ عَلَیْھِمْ اَنْ یُّبِیْحَ الْمَدِیْنَۃَ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَّھٰذَا ھُوَ الَّذِیْ عَظُمَ اِنْکَارُ النَّاسِ لَہٗ مِنْ فِعْلِ یَزِیْدَ وَلِھٰذَا قِیْلَ لِاَحْمَدَ اَنَکْتُبُ الْحَدِیْثَ عَنْ یَّزِیْدَ قَالَ لَا وَلَا کَرَامَۃَ اَوَ لَیْسَ ھُوَ الَّذِیْ فَعَلَ بِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَا فَعَلَ !

(منھاج السنۃ ص ۲۵۳ ج ۲)

"رہا وہ جو اُس نے اہل حرہ کے ساتھ کیا تو جب اہل مدینہ نے اسے حاکم ماننے کی بیعت فسخ کردی اور اُس کے نائبوں اور اہل خاندان کو مدینہ شریف سے نکال دیا تو اُس نے بار بار اِن کے پاس پیغام بھیجے کہ وہ اِس کی طاعت قبول کریں اور وہ اِس کی بات ماننے سے رُکے رہے۔ تو اس نے ان کے پاس مسلم بن عقبہ مرّی کو سالار جیش بنا کر روانہ کیا اور اسے یہ حکم

دیا کہ جب وہ اہل مدینہ پر غلبہ پالے تو مدینہ شریف کو تین دن قتل و غارتگری کے لیے اپنے لشکر والوں کے لیے مباح کردے۔ اور یہی یزید کی وہ حرکت ہے جس پر لوگوں کو عظیم اعتراض رہا ہے۔ اسی لیے جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم یزید کی حدیث لکھ لیں تو اُنہوں نے فرمایا نہیں اور اِس سے حدیث لکھنا کوئی اچھی بات نہیں، کیا وہ وہی شخص نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا کیا کچھ کیا ہے!''

آپ کو ان معتبر ترین حوالوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ صحابۂ مدینہ منورہ کی بیعت سے اُسے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوئی اور جو کچھ اُس نے اہل مدینہ سے انتقام لینے کے لیے کارروائی کی وہ اُس کے لیے کلنگ کا ٹیکہ ہے جسے حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ الصدر نوعیت کی بیعت نہیں مٹا سکتی اور اہل مدینہ کی وجہ سے آپ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی ملاحظہ فرمالی ہے، اُسے حاکم تو کہا جائے گا۔ حاکم کے لیے چاہے خلیفۃ المسلمین کا لفظ بولا جائے یا امیر المؤمنین کہا جائے کیونکہ اُس زمانہ میں اور بعد میں بہت دراز عرصہ تک ہر حاکم اعلیٰ کو خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین ہی کہا جاتا تھا، لیکن خلیفۂ راشد نہیں کہا جا سکتا۔

والسلام

حامد میاں

یکم شوال ۱۴۰۰ھ/۱۳راگست ۱۹۸۰ء

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (ادارہ)